OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 5, Issue 2 (April-June 2022)

علم الوحی: ابن عربی کی تعبیرات کا تعارفی مطالعہ

Ilm al-Wahy: An Introduction to *Ibn Arabi*'s Interpretations

Nazeer Ahmad

Doctoral Candidate Islamic Studies, NUML, Islamabad

Dr. Mutafeez Ahmad Alvi

Dean Faculty of Social Sciences, NUML, Islamabad

Abstract

Ibn e Arabi is a renowned Sufi Philosopher of twelfth century, in Islamic Tradition. Beside his other books, *Tafsīr* Ibn e Arabi is a prominent exegesis of Qur'an of *Ishari* (Sufi) Tradition. His *Tafsīr* carries the convention of explaining Qur'anic themes, in the light of his claimed mystic revelation, though he has aligned his interpretations, at some of the occasions, with traditional *Mathūr Tafsīr*. The following article explores the specific interpretation of *Ilm al-Wahy* (Divine Wisdom through revelation), given by Ibn e Arabi in his *Tafsīr*., vis a vis traditional *Mathūr Tafsīr*.

Keywords: Revealed Knowledge, *Mathūr Tafsīr*., Mystic Interpretation, Spiritual Stages of Human Inner self

تمہید

علم وحی وہ خاص الوہی علم ہے جس سے انبیاء ورسل، وہبی طور پر فیضیاب ہوتے ہیں۔ یہ علم و حکمت کا خزانہ الہامی کتب کی صورت میں انسانوں کے لیے محفوظ و مرتب ہوتا ہے۔ اسی نور ہدایت کا جامع مخزن قرآن مجید کی صورت میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا۔ قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر ایسا علم ہے جس کی ابتداء نزول قرآن کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ صحابہ کرام کو جب قرآن مجید کے فہم میں کوئی مشکل پیش آتی تو وہ نبی رحمت ﷺ سے اس سے متعلق سوال کر لیتے تو آپ ﷺ اپنے فرمان سے اس کی وضاحت کر دیتے، باقی آپ ﷺ کا اسوہ کاملہ، قرآن کی تفسیر کا جامع نمونہ موجود تھا۔ یوں تفسیر قرآن کی روایت محفوظ بھی ہوتی گئی جو آج تک تفہیم قرآن کے عمل میں مسلسل مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔ آیات قرآنیہ کی تفہیم و تعبیر کے لیے بطور بنیادی مصدر، خود قرآن حکیم اور حدیث و سنت ہی مستند ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال و آثار کا درجہ آتا ہے۔ ماثوری تفسیر کی ایسی روایت سے الگ، تفسیر اشاری کا رواج، ابتدائی صدیوں سے ہے اور صوفیاء کی تعبیرات نے اسے بعد میں نشو و نما سے ہمکنار کیا۔ اہل تصوف کے مطابق قرآنی آیات و عبارات کے ظاہری

CC BY

مفاہیم کے علاوہ، ان باطنی اشارات کی تشریح بھی ضروری ہے جن کا انکشاف و اظہار، صوفیاء کو روحانی واردات کے ذریعے ہوتا ہے۔ تفسیر اشاری کی روایات صحابہ کے دور سے بھی ملتی ہیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ اس میں صحیح اور سقیم سب جمع ہو گیا۔
آیات قرآنی کے باطنی معانی پر مبنی تاویلات کے سلسلے میں ایک نمایاں نام بارہویں صدی عیسوی کے صوفی بزرگ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی الحاتمی الطائی الاندلسی کا ہے۔ شیخ ابن عربی دور بنو امیہ میں اندلس میں پیدا ہوئے، آپ صوفیاء میں عقیدہ وحدۃ الوجود کے بانی مانے جاتے ہیں۔ تصوف پر ان کی کتب میں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ نمایاں ہیں۔ یاد رہے کہ شیخ اکبر ابن عربی کا نام اور کام، گیارہویں صدی عیسوی کے مالکی فقیہ (محمد بن عبداللہ) ابن العربی سے مختلف ہے۔ زیر نظر تحقیق میں علامہ ابن عربی کی وہ اشاری تعبیرات زیر مطالعہ آئیں گی جن کا تعلق علم الوحی کے موضوع سے ہے۔ اس سلسلہ میں بنیادی ماخذ تفسیر ابن عربی کو بنایا جائے گا۔ یہ تفسیر قرآن مجید کی صوفیانہ انداز کی منفرد اشاری تفسیر ہے۔ اس تفسیر کی بہت سی ابحاث تفسیر بالماثور سے مختلف ہوتی ہیں۔ ابن عربی کی اکثر تشریحات، گیارہویں صدی کے عجمی صوفی، عبدالکریم القشیری سے ملتی جلتی ہیں، جو اس جانب اشارہ ہے کہ شیخ اکبر، القشیری سے متاثر تھے۔ حتیٰ کہ ابن عربی کا عقیدہ وحدۃ الوجود، رسالہ قشیریہ کے تصور فنا اور بقا سے ماخوذ ہے۔

"وحی" کے قرآنی مفاہیم

اہل علم کے مطابق، لفظ وحی کے متعدد مفاہیم ہیں، جن میں اشارہ، رمز، راز کی بات، لکھ کر کوئی بات کرنا، الہام، یا سرعت سے اشارہ کرنا جیسے معانی شامل ہیں۔ حقیقت میں وحی متکلم اور سامع کے درمیان ایک ایسا راز ہے جس کو فریقین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ کسی دوسرے فرد کو اس کا علم اس وقت ہوتا ہے جب فریقین اس کا اظہار کرتے ہیں۔ لفظ وحی قرآن مجید میں اپنے لغوی اور اصطلاحی دونوں معانی میں استعمال ہوا ہے، علامہ خلیل بن احمد الفراہیدی نے وحی کے لغوی مفہوم کو یوں واضح کیا ہے:"
وأوحى إليه: أَلْهَمَهُ. وقوله عزّ وجلّ: وَأَوْحى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ انّ لغته: وَحَى، فإذا لم يذكر (لها) قال: أوحى. وزكريا أوحى إلى قومه، أي: أشار إليهم. والإيحاء: الإشارة. [1] (اس کی جانب وحی کی یعنی الہام کیا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے آپ کے رب نے شہد کی مکھیوں کی جانب وحی کی بے شک لغت میں وحی سے مراد جب کسی چیز کا ذکر نہ کیا جائے جیسے اوحیٰ یعنی زکریا علیہ السلام نے اپنی قوم کی جانب وحی کی یعنی ان کو اشارہ کی ایحاء سے مراد اشارہ ہے) اسی طرح امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:"اصل الوحی ۔الاشارۃ السریعۃ والتضمن السرعۃ قیل امر وحی وذالک یکون بالکلام علیٰ السبیل الرمز والتعریض وقد یکون صو ت مجرد عن الترکیب وباالاشارۃ ببعض لجوارح او باالکتابۃ" [2]
(حقیقت میں وحی تیزی سے کیا گیا اشارہ ہے اس میں سرعت شامل ہے کہا جاتا ہے امر وحی یہ رمز سے کیا گیا کلام ہے یہ تعریض کبھی محض آواز ہوتی ہے جس میں ترکیب نہیں ہوتی یا بعض اعضاء سے اشارہ ہوتا ہے یا لکھ کر۔)
قرآن مجید میں لفظ وحی کئی مقامات پر اور متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض مقامات پر یہ لفظ، پیغام دل میں ڈال دینے کے لیے آیا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا: وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ أُمِّ مُوسَىٰٓ أَنۡ أَرۡضِعِيهِۖ[3] (اور ہم موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی جانب وحی کی کہ اس کو دودھ پلائے)۔ گویا یوں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلائے۔ اسی طرح یہ لفظ خالق کی طرف سے کسی مخلوق کو جبلی علم اور فطری صلاحیت کی عطا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ شہد کی مکھی کے حوالے سے ارشاد ہوا: وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ[4] (اور آپ کے رب نے شہد کی مکھیوں کی جانب وحی کی)۔ یہاں وحی سے مراد وہ فطری علم و صلاحیت ہے جو انسانوں جانوروں دونوں کو حاصل ہے کہ وہ بہت سے اپنے کام فطری ودیعت کے طور پر جانتے ہیں۔

قرآن حکیم میں وحی اشارہ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی جسم کے کسی بھی عضو سے اشارہ کرنا۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کے بارے بتایا گیا: فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ[5] (پس زکریا علیہ السلام اپنی قوم پر محراب سے نکلے اور ان کو اشارہ کیا۔) اس کی وضاحت میں علامہ ابن جریر طبری کے بقول: أشار إليهم، وقد تكون تلك الإشارة باليد وبالكتاب وبغير ذلك[6] (پس انہوں نے ان کی طرف اشارہ کیا، یہ اشارہ ہاتھ کے ساتھ اور لکھنے کے ساتھ یا اس کے علاوہ بھی۔)

بے جان چیزوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم یا ہدایت کے لیے وحی کا لفظ آیا ہے، جیسا کہ سورہ زلزال میں ہے: يَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَاۙاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا[7] (اس دن (سب چیزیں) اپنی ساری خبریں دیں گی کیونکہ ان کی جانب ان کے رب نے وحی کی ہوگی۔) اسی طرح وحی کا لفظ وسوسہ یا خفیہ (منفی) اشارہ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا[8] (ایسے ہی ہم نے ہر نبی کے لیے شیاطین جنوں اور انسانوں میں سے دشمن بنائے۔ ان میں بعض، بعض کی جانب دھوکے اور غرور کی باتیں (وسوسے) خفیہ اشارے سے کرتے ہیں۔)

وحی اللہ تعالیٰ کے پیغام خاص کے معنیٰ میں

قرآن میں وحی کا لفظ، اللہ رب العالمین کے اس پیغام خاص کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے جو کبھی انبیاء کی جانب ہوتا ہے اور کبھی فرشتوں کی جانب تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالائیں اور یہ پیغام آگے پہنچا دیں۔ غزوہ بدر کے موقع کی مثال ملاحظہ ہو: اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[9] (جب تمہارے رب نے فرشتوں کو وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو اہل ایمان کو ذرا ثابت قدم رکھو۔) یہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ایک حکم خاص دیا کہ اہل ایمان کے ساتھ، وہ عملی طور پر اس جنگ میں شریک رہیں اور ایمان والوں کو ثابت قدم رکھیں اس بنیاد پر خود رب العالمین کی معیت انہیں حاصل ہے۔ انبیاء کرام کے ساتھ براہ راست کلام و گفتگو کے لیے اصطلاحاً وحی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر بموقع معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ارشاد ہوا ہے: فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى[10] (پھر اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کرنی تھی۔) اسی لیے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: "الوحی یراد به اسم المفعول منه ای الوحی وہو کلام الله المنزل علی النبی ﷺ "[11] (وحی اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے اس سے مراد وہ کلام ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوا) وحی کی شرعی اور صطلاحی معانی سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی جانب نازل فرماتا ہے یہ الفاظ اور مفہوم سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے اور انبیاء کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملے میں علم الوحی کے نزول کی کیفیات اور کئی صورتیں ہیں، جن کی تفصیل احادیث مبارکہ میں موجود ہے مثال کے طور پر وہ روایات قابل توجہ ہیں جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے: "أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ"[12] (نبی رحمت ﷺ پر وحی کا آغاز رؤیاء صالحہ سے ہوا آپ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو اگلے دن کی صبح کی مثل سچ ثابت ہوتا) اور دوسری روایت جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے وہ حضرت حارث بن ہشام سے روایت کرتی ہیں کہ نبی رحمت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول کیسے ہوتا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ "أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الجَرَسِ، وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ، فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ، وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ المَلَكُ رَجُلًا

فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ"[13](کبھی میرے پاس گھنٹیوں کیا آواز آتی وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی جب یہ کیفیت ختم ہوتی تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا اور کبھی فرشتہ میرے پاس انسانی شکل میں آتا اور کلام کرتا اور میں اسے یاد کر لیتا)

وحی سے متعلق ابن عربی کے تصورات کا جائزہ

1۔ ابن عربی کے نزدیک وحی الٰہی صرف اس کے نصیب میں ہے جس کو روح کی ترقی حاصل ہے اا ور وہ اپنی روحانی ترقی میں جس قدر عروج حاصل کرتا اسی قدر وہ وحی سے نوازا جاتا ہے۔ اس روحانی ترقی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اس قابل ہو جائے کہ الوہی مفاہیم کو جذب کر سکے ابن عربی کہتے ہیں کہ تزکیہ کا اثر انسان کی روح پر پڑتا ہے۔ اور قلب اپنی انتہاؤں کو چھونے لگتا ہے اور قلب افق الاعلیٰ کی جانب عروج کرتا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ نجم کی مذکورہ بالا آیہ مقدسہ ﴿ إِنۡ هُوَ إِلَّا وَحۡيٞ يُوحَىٰ ﴾ [14](نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے) کی تفسیر میں ابن عربی کہتے ہیں:"اليه من وقت وصوله الیٰ ا فق القلب هوسماء الروح الیٰ انتهائه الیٰ الافق الاعلیٰ الذی هونهاية م الروح المبين"[15](ان پر کی گئی ہماری وحی ہوتی ہے یعنی جو اس کی طرف افق قلب کی طرف وصول کے وقت سے وحی کی جاتی ہے اور قلب کا یہ افق آسمان روح ہے جس کی انتہا اس افق اعلیٰ کی طرف ہے جو مقام روح مبین کی انتہاء ہے)

ابن عربی اس مقام پر انسان کے دل کے عروج کی بات کرتے ہیں جب انسان اس مقام پر پہنچتا کہ وہ وحی شرعی اور اصطلاحی کا حامل بنے تو اس کا قلب جہاں تک پہنچنا چاہیے وہ افق یعنی آسمان ہے جب دل اس کائنات کی انتہا یعنی آسمان پے ہوتا ہے تو روح افق اعلیٰ تک پہنچ جاتی ہے افق اعلیٰ یہ سب آسمانوں سے اوپر ہے اور یہ انسانی روح کا آخری منزل یا مقام ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ابن عربی نے یہ وضاحت قرآنی آیت : وَهُوَ بِٱلۡأُفُقِ ٱلۡأَعۡلَىٰ[16](اور وہ افق اعلیٰ پر تھے) کی روشنی میں کی ہے۔ افق اعلیٰ کی وضاحت میں تفسیر ابن عباس میں ہے یوں ہے: بمطلع الشَّمْس وَيُقَال فِي السَّمَاء السَّابِعَة[17](سورج طلوع ہونے کا مقام جو ساتویں آسمان پر ہے۔) ابن عربی کے مطابق وحی کے تحمل اور جذب کا موقع تب آتا ہے جب نبی کی روح کی ترقی افق اعلیٰ تک ہوتی ہے، جو کہ سات آسمانوں سے اوپر ہے۔ تاہم مفسرین کرام کے بقول آیت مذکورہ میں افق اعلیٰ سے مراد، جبریل علیہ السلام کا مقام ہے[18]۔

ابن عربی کی رائے میں جب روح اس قدر عروج حاصل کر لیتی ہے کہ وہ افق اعلیٰ تک پہنچ جاتی ہے اور اس قابل ہوتی ہے کہ کلام الٰہی کو جذب کر سکے، تو انسان کو اس قابل بنا دیا جاتا ہے کہ وہ الوہی مفہوم کو اپنے دل میں سمو سکے۔ جب کوئی اس مقام پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جانب بلاواسطہ کلام نازل فرماتا ہے: فَأَوۡحَىٰٓ إِلَىٰ عَبۡدِهِۦ مَآ أَوۡحَىٰ [19](پس وحی کی اپنے بندے کی جانب جو وحی کی)ابن عربی کے بقول: فی مقام الوحدة بلاواسطة جبريل عليه السلام[20](مقام وحدت میں بغیر جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ کے) اس مقام پر:"ما اوحیٰ من الاسرار الالٰهيه التی لا يجوز كشفها لصاحب النبوة [21](یہ ایسے اسرار الٰہیہ ہوتے ہیں جن کو کھولنا صاحب نبوت کے لیے جائز نہیں ہوتا۔ تو وحی کی اس قسم میں درمیانی کوئی واسطہ نہیں ہوتا مگر اس کے لیے شرط ہوتی ہے کہ صاحب منصب کی روح اس مقام پر فائز ہو۔) دوسری جانب علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اس مقام پر بلاواسطہ وحی نہیں ہوئی بلکہ جبرائیل امین کے ذریعے ہی ہوئی ہے: يوحي الله تبارك وتعالى إلى جبرائيل، ويوحي جبرائيل إلى محمد صلى الله عليه وسلم[22] (اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کی جانب وحی کی اور جبرائیل نے آپ ﷺ کی جانب وحی کی۔) ۔۔۔ بلکہ ہر حال میں جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ہی وحی آئی ہے، اور یہ جو فرمایا گیا﴿عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلۡقُوَىٰ﴾[23](انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے) تو اس میں شدید القویٰ سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں، اسی لیے ارشاد ہوا ہے:﴿ قُلۡ إِنَّمَآ أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ مِن رَّبِّيۚ﴾[24](فرمائیے میں تو اسی کی پیروی

کرتاہوں جو وحی کی جاتی ہے میری جانب، میرے رب کیطرف سے) گویا، علامہ طبری کے مطابق اللہ تعالیٰ کسی سے بلاواسطہ کلام کرے یہ ممکن نہیں بلکہ یہ کام فرشتہ کے توسط سے ہوتا ہے جبکہ ابن عربی کہتے ہیں کہ بہت سے ایسے راز ہوتے ہیں جن کی انبیاء علیہم السلام کو بھی افشاء کی اجازت نہیں ہوتی وہ بلاواسطہ، ان پر منکشف ہوتے ہیں۔

2۔ابن عربی کی یہ رائے بھی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ انبیاء کی جانب وحی فرماتا ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب بلائیں وہیں لوگوں کی جانب بھی وحی ہوتی ہے، اس ہدایت کے ساتھ کہ وہ انبیاء کا ساتھ دیں اور حق کو قبول کریں۔ اس حقیقت کی شہادت قرآن میں اس طرح آتی ہے کہ سورۃ المائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی جانب وحی کا ذکر ہے: وَإِذۡ أَوۡحَيۡتُ إِلَى ٱلۡحَوَارِيِّـۧنَ أَنۡ ءَامِنُواْ بِي وَبِرَسُولِي قَالُوٓاْ ءَامَنَّا وَٱشۡهَدۡ بِأَنَّنَا مُسۡلِمُونَ [25] (جب ہم نے وحی کی آپ کے حواریوں کی جانب کہ تم ایمان لاؤ مجھ پر اور ہمارے رسول پر انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور میں گواہی دیتاہوں کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔)اس کی وضاحت میں ابن عربی کہتے ہیں:

"ای الہمت الیٰ قلوبہم النورانین الذین طہروا نفوسہم بماء المنافع والاعمال المزکیة حتیٰ قبلوادعوتک لصفاء نفوسہم واحبوک بالارادۃ التامة لمناسبتہم ایاک بنور الفطرۃ وصفاء االاستعداد "[26]

(میں نے الہام کیا ان کے نورانی دلوں میں جو کہ منافع کے پانی سے دھلے ہوئے تھے اوران کے اعمال ستھرے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے پاکیزہ نفوس اور آپ کے محبوب مکمل ارادہ کی وجہ آپ کی دعوت کو قبول کیا یہ سب فطری نور اور صفا کی استعداد کی وجہ سے تھا۔)

گویا ان کے خیال میں جن طبیعتوں میں اس نور کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، ان دلوں میں اللہ تعالیٰ قبولیت کی استعداد بھی پیدا فرماتا ہے اور یہ قبولیت کی صلاحیت بھی وحی کی ہی ایک قسم ہے۔

علامہ ابن کثیر کے مطابق یہاں وحی سے مراد وحی الہام ہے جو غیر نبی کو بھی فطری اشارات کے ذریعے ہوتی ہے، جیسا کہ ام موسیٰ کی طرف ہدایات وحی ہوئی تھیں۔ ان کے خیال میں یہاں وحی سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے توسط سے، ان کے اصحاب و انصار کو ایمان لانے اور ساتھ کھڑے ہو جانے کا پیغام دیا گیا جو کہ انہوں نے قبول کیا۔ لہٰذا ابن کثیر رقمطراز ہیں:

وإذ أوحيت إليهم، بواسطتك، فدعوتهم إلى الإيمان بالله وبرسوله، واستجابوا لك وانقادوا وتابعوك، فقالوا: {آمنا واشهد بأننا مسلمون}

(اور جب ان (حواریون) کی طرف میں نے وحی کی (عیسیٰ) تیرے توسط سے تو ان کو یہ دعوت دی کہ وہ ایمان لائیں اور اس کے رسول پر، تیری پکار کا جواب دیں اور تیری اتباع پر قائم ہوں۔ لہٰذا وہ کہنے لگے "ہم ایمان لے آئے اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہو چکے۔")

3۔ ابن عربی کے خیال میں وحی تہذیب نفس اور اصلاح قلب کا کام کرتی ہیں مثال کے طور پر قرآن مجید میں بیان کیا گیا﴿إِذۡ أَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ أَنِ ٱقۡذِفِيهِ فِي ٱلتَّابُوتِ فَٱقۡذِفِيهِ فِي ٱلۡيَمِّ فَلۡيُلۡقِهِ ٱلۡيَمُّ بِٱلسَّاحِلِ يَأۡخُذۡهُ عَدُوّٞ لِّي وَعَدُوّٞ لَّهُۥ﴾[27] (اور جب ہم نے وحی کی وہ بات تمہاری ماں کی طرف جو وحی کئے جانے کے قابل تھی کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو تابوت میں، پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں، پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر، پھر پکڑے گا اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی۔)اس آیت کے ضمن میں ابن عربی نے لکھا ہے:

" اذ اوحینا الیٰ امک" نفس الحیوانیہ "ما یوحیٰ" ای اشرنا الیہا" ان اقذفیه "فی تابوت البدن اوالطبیعة الجسمانیة "فاقذ فیه "فی یم الطبیعة الہیولانیة "فلیلقه " فی الیم عند ظہورنورا لتمییز والرشد بساحل النجاۃ "یاخذه عدو "النفس الامارة الجبارالفرعونیة" [28]

(جب ہم نے وحی کی آپ کی والدہ کی طرف یعنی نفس حیوانیہ کی جانب جو وحی کی کہ اس کو ڈال دے جسم کے تابوت میں یا طبع جسمانیہ کو ڈال دو طبیعہ ہیولانیہ کے دریا میں پس اس دریا میں ملاقات کے وقت ساحل نجات پر اس پر ہدایت اور تفریق کا نور ظاہر ہو گا اس کو اس کا دشمن پکڑ لے گا جو جو نفس امارہ جباریہ اور فرعونیہ ہے۔)

ابن عربی کی یہ وضاحت، تفسیر کی وہ قسم جس کو کشف اور القائے ربانی کے تحت آسکتی ہے جس کی وضاحت مفسرین نے کی ہے اور ان کی یہ وضاحت تفسیر اشاری کی تعریف میں بھی شامل ہے:"هو تأويل القرآن بغير ظاهره لإشارة خفية تظهر لأرباب السلوك والتصوف ويمكن الجمع بينها وبين الظاهر" 29(قرآن مجید کے ظاہر کے علاوہ ایسی تاویل جو کسی مخفی اشارہ کی وجہ سے ہو جو صرف ارباب سلوک و تصوف پر ہی ظاہر ہوتی ہے لیکن اس میں شرط ہوتی ہے کہ اس کو قرآن کے ظاہر سے تطبیق دینا ممکن ہوتا ہے۔)

جب اس تعریف اور اس اصول کی روشنی میں ابن عربی کی اس توجیہ کو دیکھیں تو یہ نہ تو سیاق وسباق سے مطابقت رکھتی ہے اور نہ ہی قرآن کے ظاہر کے مطابق ہے کیونکہ اس آیت سے قبل مسلسل موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکر اور سیاق کلام اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے مراد نہ نفس حیوانیہ ہے اور نہ ہی تابوت سے مراد طبع ہیولانیہ ہے بلکہ اس سے مراد موسیٰ علیہ لسلام کی والدہ ہی ہیں اور تابوت حقیقت میں وہی تھا جس میں موسیٰ علیہ السلام کو ڈال کر دریا میں ڈالا گیا تھا اور فرعون نفس امارہ نہیں بلکہ وہ حقیقی اور مصر کا فرمانروا تھا جہاں سیاق کلام کے مطابق نہیں وہیں ظاہر کے بھی خلاف ہے جب کہ تفسیر اشاری کے لیے ضروری ہے کہ وہ ظاہر کلام کے خلاف نہ ہو، جیسا کہ امام زرقانی کہتے ہیں:"الا یتنافی ما یظہر من معنیٰ نظم القرآن الکریم" 30 (یہ معنیٰ نظم قرآن کے مرادی معنیٰ کے خلاف نہ ہو)

4۔وحی کے لیے اللہ تعالیٰ کسی کا انتخاب کیسے کرتے ہیں، حضرت موسیٰ کے سلسلے میں اس بات کا جواب سورہ طہٰ کی اس آیت کے تحت لکھا ہے: ﴿ وَأَنَا ٱخۡتَرۡتُكَ فَٱسۡتَمِعۡ لِمَا يُوحَىٰٓ ﴾ 31 (میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کے لیے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے)ابن عربی لکھتے ہیں:

" هذا وعد بعد الاصطفاء الذی کان بعد التجلی التام الذاتی الذی جعل جبل وجوده دکاً با لفناء فیه باالاندکاک وحروره صعقاً عند اقامة باالوجود الحقانی"[32]

(یہ انتخاب کا وعدہ کامل ذاتی تجلی کے بعد کا ہے جس نے وجود کے پہاڑ کو فنا کر کے ریزہ ریزہ کر دیا تھا وجود کے اندکاک کے بعد وجود حقانی کے ساتھ ہوش میں آنے کے وقت کامل تجلی حاصل ہوئی)

ابن عربی کے مطابق، یوں موسیٰ علیہ السلام کو اپنے نفس کی تہذیب کا حکم ملا تا کہ وہ وحی جذب کرنے کے قابل ہو جائے۔ تہذیب نفس کا مرحلہ، ان کے بقول، وجود فانی کے فنا سے شروع ہوتا ہے اور تجلی ذاتی کے بقا تک جاری رہتا ہے۔ جب وجود، خواہشات اور حوادث سے مکمل طور پر آزاد ہو گیا تو حضرت موسیٰ کو فرمایا گیا کہ اب اللہ تعالیٰ کے نمائندے بن کر پیغام رسالت کے امین ہو جاؤ اور یہ احکام لوگوں کو پہنچاؤ۔

ابن عربی کہتے ہیں انبیاء کی دوہری شان ہوتی ہے ایک طرف وہ خدا سے واصل ہوتے اور دوسری طرف مخلوق میں شامل ہوتے ہیں خدا سے ہدایات لیتے ہیں اور مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت ﴿قُل إِنَّمَآ أَنَا بَشَر مِّثلُكُم يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُم إِلَٰه وَٰحِد﴾[33] (اے رسول) آپ فرمایئے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح، وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے) میں یہی شان بیان ہوئی ہے۔اس آیت مقدسہ کی تشریح میں ابن عربی لکھتے ہیں کہ یہاں رسول کریم کو یہ کہا جارہا ہے کہ آپ لوگوں کو یوں کہیے کہ:

"انی من جنسکم واناسبکم فی البشرية والمماثلة النوعية لتوجه للانس والخلطة ،وابا ینکم بالوحی المنبه علی التوحيد المبين لطريق السلوک ،فاتصلوا بی بالمناسبة النوعية ومجانسة البشرية لتهتدو ا بنورالتوحيد والوحی المفيد لبيان الدين وسلكوا سبيل الحق الذی عرفنيه" [34]

(میں تمہاری جنس سے ہوں اور مماثلت نوعیہ میں تم سے مناسبت ہے تاکہ انس اور اختلاط کے ذریعے تمہیں اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ کر سکوں اور توحید مبین کی تمہیں وحی کے ذریعے تعلیم دوں مناسبت نوعیہ اور مجالست بشریہ کے ساتھ تم میرے قریب آؤ تاکہ دین کو بیان کرنے میں اور نور توحید کو اور وحی سے فائدہ حاصل کرنے اور حق کے راستہ پر چلنے میں تم کو اس کی معرفت ہو)

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں کہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کا سبب بنایا ہے۔ وہ خدا کی جانب سے وحی وصول کرتے ہیں اور اس حقیقت کو انسانیت کے ہم نوع اور ہم مجلس ہونے کی وجہ سے اعلیٰ انداز میں انسانیت تک پہنچاتے ہیں۔ ایک طرف وہ منشاء الٰہی کے عارف ہوتے ہیں اور دوسری جانب انسانی ہدایت کے امین ہوتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانیت کو دیتے ہیں اور ان تک توحید کی تعلیم پہنچاتے ہیں۔

ابن عربی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو معرفت کی بنیاد کے طور پر پیش کیا ہے۔ انبیاء کرام، اللہ تعالیٰ کی ذات کے عارف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی منشاء سے واقف۔ دوسری جانب مخلوق میں شامل ہوتے ہیں اور ان کی ضرورتوں اور کمزوریوں سے بھی واقف ہوتے ہیں، یوں وہ احسن انداز میں اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانیت تک پہنچاتے ہیں۔

علامہ سمرقندی فرماتے ہیں کہ پیغمبر کو جو وحی موصول ہوتی ہے وہ زبان حال سے یہ کہہ رہی ہوتی ہے کہ: "اعمل بما تومر"[35](جو آپ کو حکم دیا جارہا ہے اسے بجالائیں) گویا یہ احکامات عملی ہیں جن کو بجالانے کا حکم ملتا ہے اور پھر اسے آگے لوگوں تک پہنچانا بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ذات، خدا سے کلام وصول کرتی ہے اور وہ جن کی طرف یہ احکامات پہنچائے جاتے ہیں، برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہر انسان کلام نہیں کر سکتا ان کا ایک خاص مقام ہوتا ہے جو وحی بھیج کر یا قاصد (جبریل) کے ذریعے پیغام پہنچا کر متعین کر دیا جاتا ہے۔

4۔ جب اللہ تعالیٰ انبیاء کو نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔ تو انسانوں اور جنوں میں بہت سے افراد ان کے موافق اور کچھ دیگر، ان کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ یہ گروہ آپس میں خفیہ پیغام رسانی (وحی) کرتے ہیں۔ اسی لیے قرآن میں آیا ہے کہ: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوّا شَيَٰطِينَ ٱلإِنسِ وَٱلجِنِّ يُوحِي بَعضُهُم إِلَىٰ بَعض زُخرُفَ ٱلقَولِ غُرُورا﴾[36](اس طرح بنادیتے ہیں (یعنی) سرکش انسان اور جن چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لیے)ابن عربی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کے مراتب ان کی بلندیوں کے مطابق تقسیم کیے ہیں اور شیاطین کو مقام، ان کی اپنی حالت کے مطابق دیا:

"ان مقابلة اصفى الاستعدات وانوارها باكدرها واظلمها وابعدها لزم منه وجود عدو لكل نبى للتضاد الحقيقى بينها وفائدة وجود العدو فى مقابلته له ان الكمال الذى قدر له بحسب استعداه لا يظهر عليه الا بقوة المحبة اما القهر فلاانكسار نفسه به وباهانته واستخفافه له "[37]

(تاکہ پسندیدہ اور مصفا استعدادت اور ان کی روشنیاں، ان کی کدورتوں ظلمتوں اور دوریوں کا مقابلہ کریں اوراس سے ہر نبی کے وجود کے لیے دشمن کے وجود کو لازم کیا کیونکہ دونوں کے درمیان حقیقی تضاد ہے اور نبی کے مقابلہ میں دشمن کے وجود کا فائدہ یہ ہے کہ نبی کی استعداد کے مطابق جس قدر اس کو کمال دیا گیا ہے سوائے استمداد سے محبت کی قوت کے اس پر ظاہر نہیں" رہا غلبہ تو اس کے ساتھ اس کے انکسار اوراس کے لیے اس کی اہانت اور اس کا استخفاف ہے اور وہ مقام قلب میں دشمن کے ساتھ مقابلہ کے وقت جلدی کرنے میں ثابت ہوتا ہے اور نفس اور اس کی لذات سے اعراض کر تالیتا ہے)

ابن عربی کے خیال میں شیاطین کو پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ جب تک کوئی متضاد قوت موجود نہ ہو تب تک حق کی روشنی نظر نہیں آتی۔ اسی لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث کیا وہیں باقی ساری منفی قوتوں کو بھی بھیج دیا تاکہ ان کی خفگی اور ناکامی اور مثبت ذوات کے مقام اور مرتبہ نمایاں ہو جائے۔ شیاطین سے مقابلہ کے وقت انبیاء میں ایک خاص ملکہ موجود ہوتا ہے جس سے انکساری عاجزی اور محبت پیدا ہوتی ہے اور دشمن اپنے مشوروں میں ہوتا ہے جس سے عیاری اور مکاری ظاہر ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ انبیاء کو نفس کے شغل سے محفوظ رکھتا ہے اور وہ ایسے افعال میں مشغول ہوتے ہیں جس سے عفت اور طہارت کی نوید ملتی ہے۔ اسی لیے علامہ ابن عربی فرماتے ہیں:

"فى مقام القلب وتجلدة معرضاً عن النفس ولذاتها لاشتغاله باالعدو ذاہلاً عنها"[38]

(وہ مقام قلب میں دشمن کے ساتھ جلدی کرنے میں ثابت قدم ہوتا ہے اور نفس اور اس کی لذات سے اعراض کرتا ہے۔)

جب شیاطین اپنی تخریب کاریوں میں مصروف ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ثابت قدمی عطا فرماتا ہے اور وہ شیطان کی تخریب کاریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ انبیاء ان کی زیادتیوں پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں"ماأوذى قط مثل مااوذيت"[39] (کسی نبی کو اس قدر نہیں ستایا گیا جیسے مجھے ستایا گیا ہے) مگر نبی کریم ﷺ نے خندہ پیشانی کے ساتھ سب اذیتوں کو برداشت کیا۔ یہ وسوسہ اندازی جو شیطان ڈالتے ہیں ان کی حرکتیں انبیاء کی صداقت کو مزید واضح کرتی ہیں اور بری قوتوں کی خباثتوں کو بھی عیاں کرتی ہیں۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ شیاطین کی وسوسہ اندازیاں اور تخریب کاریاں انبیاء کی عظمت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہیں تاکہ شر اور خیر دونوں کی اچھائیاں اور برائیاں ظاہر ہو جائیں انبیاء کو اللہ تعالیٰ جہاں یہ قلبی اور روحانی مقام عطا فرماتا ہے وہیں اس عظمت کا اظہار بھی ان منفی قوتوں کے مقابلہ سے کروایا جاتا ہے اور اس طرح انبیاء کی عظمت کا عملی اظہار کیا جاتا ہے۔ علامہ سمرقندی فرماتے ہیں :"يزين القول الباطلا ويغربهم بذالك "[40] (وہ باطل قول کو مزین کرکے دکھاتے ہیں اور دھوکہ دیتے ہیں)۔ ابن عربی، شیطانی حربوں کو حق کے متحقق ہونے کا باعث خیال کرتے ہیں، اس لیے کہ چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ منفی قوتوں کی تخلیق کی حکمت واضح کرتے ہوئے، علامہ طبری فرماتے ہیں:

"ليصدُّوهم بمجادلتهم إياك بذلك عن اتباعك والإيمان بك وبما جئتهم به من عند ربّك، كذلك ابتلينا من قبلك من الأنبياء والرسّل، بأن جعلنا لهم أعداءً من قومهم يؤذُونهم بالجدال والخصومات. يقول: فهذا الذي امتحنتك به، لم تخصص به من بينهم وحدك، بل قد عممتهم بذلك معك لأبتليهم وأختبرهم، مع قدرتي على منع من آذاهم من إيذائهم، فلم أفعل ذلك إلا لأعرف أولي العزم منهم من غيرهم. يقول: فاصبر أنتَ كما صبر أولو العزم من الرسل"[41]

(تاکہ وہ ان کو روکیں اور ان سے جھگڑا کریں جو آپ کی پیروی کریں اور جو ایمان لائیں اس پر جو آپ لائے اپنے رب کی طرف سے، ایسے ہی آپ سے پہلے انبیاء ورسل کو آزمایا گیا کہ ہم نے ان کی قوم سے ان کے دشمن بنائے جو جنگ وجدل میں ان کو ایذا دیتے اور اسطرح آپ کو بھی آزمایا گیا یہ صرف آپ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے تاکہ ہم ان اکو آزمائیں اور ان کو خبر بھی دیں اپنی قدرت پر تاکہ روکیں ہم ان سے ہر قسم کی تکلیف اور یہ سب اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تم میں سے اولی العزم کو پہچان لوں اور فرمادیں تم صبر کرو جیسے تم سے قبل اولی العزم انبیاء نے صبر کیا)

تفسیر بالماثور کی روایت میں شیاطین اور جنات کو یہ طاقت دینے کا مقصد انبیاء علیہم السلام کی آزمائش بتایا گیا ہے تاکہ انبیاء کے ماننے والوں میں مخلص اور منافق کی جانچ ہو جائے۔ جیسے انبیاء اپنے ماننے والوں کو وحی کے ذریعے اطمنان دیتے ہیں ایسے ہی منفی قوتوں کو بھی یہ خاص طاقت دی کہ وہ اپنے حلقہ اثر کو اپنی کو تاہ فکری سے روشناس کرواسکیں۔ اس مقصد میں مومنین اپنی کامیابی تک پہنچ جاتے ہیں اور شیاطین اپنے انجام کو پالیتے ہیں۔ جب کہ ابن عربی کہتے ہیں کہ منفی قوتیں آزمائش کے لیے نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان سے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں یعنی نبیوں کی شان کا اظہار کرتا ہے۔

6۔ نبی پر نزول وحی کے ساتھ ضیق صدر کی نسبت سے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكُۢ بَعۡضَ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيۡكَ وَضَآئِقُۢ بِهِۦ صَدۡرُكَ أَن يَقُولُواْ لَوۡلَآ أُنزِلَ عَلَيۡهِ كَنزٌ﴾[42] (پس یہ کیا ہو سکتا ہے کہ آپ چھوڑ دیں کچھ حصہ اس کا جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف اور اور تنگ ہو جائے اس کے ساتھ آپ سینہ (اس اندیشہ سے) کافر یہ کہیں گے کہ کیوں نہ اتارا گیا اس پر خزانہ) اس کی وضاحت ابن عربی یوں کرتے ہیں: "لما لم يقبلوا كلامه بالارادة وانكرو ا قوله بالاقتراحات الفاسدة وقابلوه باالعناد،والاستهزاء، وضاق صدره لم ينبسط للكلام اذا الارادة تجذب الكلام وقبول المستمع يزيد نشاط المتكلم ويوجب بسطه فيه "[43] (جب کفار نبی رحمت ﷺ کے کلام کو ارادت سے قبول نہیں کریں گے اور فاسد اعتراضات کے ذریعے انکار کریں گے عناد اور استہزاء سے آپ کا مقابلہ کریں گے تو آپ ﷺ کا سینہ تنگ ہو گا اور کلام کے لیے کھلے گا نہیں کیوں کہ ارادت کلام کو جذب کرتی ہے۔ اور سننے والے کا قبول کرنا متکلم کے لئے نشاط کا باعث بنتا ہے اور اس کے بسط کو لازم کر دیتا ہے)

گویا، ابن عربی سمجھتے ہیں کہ لوگوں کے رویے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور سامعین کے سامنے الفاظ ساتھ نہیں دیتے اور کھل کر بات کرنا مشکل ہو جاتی ہے۔ جبکہ علامہ طبری کے مطابق سینہ کی تنگی کا سبب کچھ اور ہے اور وہ "مخافة ان يقولوا لولا انزل عليه كنز اوجاء معه ملك" [44] (اس خوف سے کہ یہ نہ کہہ دیں کہ ان پر کوئی خزانہ یا فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوا)۔ ابن عربی کے خیال میں لوگوں کی طرف سے عناد اور استہزاء کی وجہ سے دل میں انبساط پیدا نہیں

ہوتی جس سے متکلم خود متاثر ہوتا ہے اور کلام کر نہیں پاتا۔ دیگر مفسرین کے ہاں حقیقت ایسے نہیں نبی رحمت صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو وحی کی حقیقت بتائی گئی ہے اس کا انبساط سے تعلق نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر حالت میں پہنچنا ہے۔

7۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام انسانی کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں، اس سلسلہ میں ارشاد قرآنی ہے: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآيِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِۦ مَا يَشَآءُ إِنَّهُۥ عَلِيٌّ حَكِيم[45] (کسی بشر کی یہ مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی نمائندہ بھیجے جو اللہ کے اذن سے وحی کرے جو چاہے بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔) ابن عربی کے مطابق، اللہ کے ساتھ انسانی کلام کی تین صورتیں ہونگی:

ا۔ اس معاملے میں پہلی صورت وحی یا براہ راست کلام کی ہے: "اما بوصوله الیٰ مقام الوحدة والفناء فيه ثم التحق بوجوده فی مقام البقاء فيوحی اليه بلاواسطة كما قال الله تعالیٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰٓ إِلَىٰ عَبْدِهِۦ مَآ أَوْحَىٰ"[46] (یا تو اس (بشر) کا مقام وحدۃ کی جانب اس کا وصول ہو گا اور اس میں فنا ہو جائے گا پھر مقام بقا میں اس کا تحقق ہو گا تو اس کی جانب بلاوسطہ وحی کی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان پھر وہ قریب ہوا پھر اور قریب ہوا حتی کہ دو قاب سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پس اللہ نے وحی کی اپنے بندے کی جانب جو چاہا۔)

یعنی پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اپنی روحانی ترقی سے اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے اور وحدۃ میں اسے فنائے تام مل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بلاواسطہ کے کلام کرتا ہے جس طرح نبی رحمت صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے شب معراج کے موقع پر کلام کیا۔

علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے، اپنے انتخاب کے مطابق خود کلام کرتا ہے: يوحی الله اليه كيف يشاء او الهاماً [47](جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وحی یا الہام کرتا ہے) یعنی اس کی کوئی خاص صورت متعین نہیں اللہ تعالیٰ کے انبیاء ہی اسے جانتے ہیں اور وہ اللہ کے منتخب کردہ انسان ہوتے ہیں۔

ب۔ دوسری صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ پردے کے پیچھے سے کلام فرماتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا۔ ابن عربی کے مطابق حقیقت میں پردے کے پیچھے سے کلام کرنا اس وجہ سے ہے کہ انسان کا دل پردہ میں ہے:" بكونه فی حجاب القلب ومقام تجليا ت الصفات فيكلمه على سبيل المناجاة والمكالمة والمكاشفة والمحادثة دون الروية لاحتجابحجاب الصفات كم كان موسیٰ عليه السلام "(یا اس کے قلب کے حجاب میں ہونے یا مقام تجلیات کے صفات کے ساتھ کلام کرے گا تو اس کا یہ کلام کرنا حجاب صفات کے ساتھ احتجاب کی وجہ سے رؤیت کے برعکس، محادثہ اور مکاشفہ اور مناجات و مکالمہ کی صورت میں ہو گا۔ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کا انسان سے کلام اس کی اپنی حالت کے مطابق ہے اگر اس کا دل حجابات میں ہے تو اللہ سے کلام بھی حجاب کے پیچھے سے ہے۔)

ماثوری تفاسیر میں من ورائے حجاب کی تشریح میں لکھا گیا ہے: يقول: أو يكلمه بحيث يسمع كلامه ولا يراه، كما كلم موسى نبيه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم[48](یا پردہ کے پیچھے وہ اس طرح کلام کرتا ہے کہ اس کا کلام سنائی دیتا ہے اور وہ دکھائی نہیں دیتا جیسے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔) گویا، ابن عربی فنائے صفات مراد لیتے ہیں جس میں ورائے حجاب بات ہوتی ہے جبکہ مفسرین کے بقول یہ حکمت الٰہی کے تحت ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہوتا ہے، صرف کلام سنائی دیتا ہے۔

ج۔ انسان کے اللہ سے کلام کی تیسری صورت یہ ہے کہ وہ فرشتوں کے ذریعے کلام کرتا ہے۔ ابن عربی لکھتے ہیں:" او يرسل رسولا من الملئكة فيوحی اليه علیٰ سبيل اللقاء والنفث فی الروع والالهام او التهاف او لمنام كما قال عليه السلام ان روح القدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتیٰ تستكمل رزقها "[49](یا اس کی طرف فرشتوں میں سے رسول بھیجا جائے تو اس کی طرف الہام الٰہیات اور روح پھونکنے اور القاء کی راہ پر اس کی طرف وحی کی سجائے

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی جان بھی اس وقت تک نہیں مرے گی جب تک اس کا رزق پورا نہیں ہو جاتا۔)

ابن عربی کے تصور میں وحی کے حصول کے لیے ایک خاص روحانی مقام کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے مقامات اسی قدر ہیں جس قدر انسان کی روح ترقی کرتی ہے اسی قدر اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی میں مقام ملتا ہے۔سب سے بلند مقام اللہ تعالیٰ کا بلاواسطہ کلام کرنا ہے،جب انسان کو فنائے ذات ملتی ہے تو کلام بلا حجاب ہوتا ہے جس طرح نبی رحمت ﷺ کے ساتھ شب معراج کے موقع پر ہوا۔ فنافی الصفات ہو تو کلام ورائے حجاب ہوتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ تفسیر بالماثور میں وضاحت ہے کہ وحی شرعی کے لیے انبیاء کا انتخاب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اللہ ان کے ساتھ فرشتوں کے ذریعے کلام کرتا ہے ۔علامہ طبری فرماتے ہیں کہ: اوحیٰ الی عبدہ ماوحیٰ والی وحی بھی فرشتے کے ذریعے ہی ہوئی۔ جہاں تک منفی قوتوں کی جانب وحی کی صورت ہے اس کی توجیہ ابن عربی دیتے ہیں کہ چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں یہ منفی قوتیں کسی کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں سو ان کو طاقت بھی اسی طرح کی دی جاتی ہے جبکہ بالماثور روایت میں جو بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ قوتیں آزمائش کے لیے ہیں۔

خلاصہ بحث

لفظ وحی قرآن مجید میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے اشارہ کرنا لکھ کر بتانا، الہام کرنا، یہ لفظ جانوروں، حشرات اور شیاطین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ مگر وحی کا شرعی معنیٰ صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے مگر ابن عربی کا تصور وحی بالماثور تصور وحی سے مختلف ہے وحی کے بالماثور تصور میں مناظر پر بحث ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ وحی کے شرف سے مشرف فرمالیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا رسول اور پیغمبر قرار پاتا ہے۔ لغوی معانی میں اس کی تفصیل بھی دی کہ غیر انبیاء اور حشرات شیاطین اور عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی جانب وحی یہ شرعی معنیٰ میں نہیں بلکہ لغوی میں مستعمل ہے۔ جبکہ ابن عربی کے نزدیک وحی کے لیے تزکیہ نفس کے بعد ایک خاص مقام چاہیے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سب سے پہلے انبیاء کو اس مقام پر فائز فرماتا ہے پھر ان کی جانب وحی فرماتا ہے وحی کے تین درجات کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں وحی بالملائکہ ،وحی من وراء حجاب اور وحی بلا حجاب مگر اس کے لیے کہتے ہیں کہ اگر انبیاء مقام فنافی الذات میں ہوں تو اللہ تعالیٰ بلا حجاب کلام فرماتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے شب معراج آپ ﷺ سے کلام کیا اگر فنافی الصفات ہو تو پردہ کے پیچھے سے کلام ہوتا ہے اور اگر ان دونوں مقامات پر نہ ہوں تو فرشتے کے ذریعے کلام فرماتا ہے۔ جبکہ تفسیر ابالماثور میں ہمیشہ کلام فرشتے کے واسطے سے ہی ہوتا ہے۔

References

1 Al-Farahidi, Khalil bin Ahmed Kitab Al-Ain(Dar Al-Muktaba Al-Hilal, 1431 AH), 3:320.

2 ·Al-Asfahani, Hussain bin Muhammad, Al-Mufradat fi Gharib Al-Quran, (Dar Al-Qalam Al-Dar Al-Shami, Beirut, 1412 AH),558.

3 Al_Qassas 25:7 .

4 Al-Nahal 16:97 .

5 . Maryam 19: 11.

6 .Al-Tabari, Muhammad bin Jarir,(Jami' Al-Bayan, House of the Heritage of Makkah Al-Mukarramah 1431 AH),18:153.

7 Al- Zilzila 99:4,5.

8 Al-Annam 6:112.

9 Aal_ Anfal 8:12.
10 Al-Najam 53:10.
11 Al-Asqalani, Ahmad bin Ali(Al-Fath Al-Bari, Dar Al-Maarif, Beirut, 1431 AH),1:9.
12 .Al-Bukhari, Muhammad bin Ismail, (Al-Jami Al-Sahih, Al-Mutaba'a Al-Amiriah, Egypt 1433AH)1:7 No. 3.
13Al-Bukhari, Al-Jami Al-Sahih,1:6No.3.
14 Al_Najam:53:4.
15 .Ibn Arabi, Muhammad ibn Ali ibn al-Ta'i, (Tafsir Ibn Arabi, Dar al-Kutub al-'Ilmiyya, Beirut, 2001)2:276.
16 Al_Najam 53 :7.
17. Ibn Abbas,(Tanvir- A-l Miqias- Ibn Abbas, House of Scientific Books, Labnan, 1432 A.H) 446.
18. Ibn Kathir, Ismail bin Omar(Tafsir Al Quran Al Azeem,Dar Al Alktab AlAilmia Berot 1999)7:444.
19 Al_Najam 53 :10 .
20 -Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi 2:277.
21 - Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi 2:277.
22 . Tabari, Jami' al-Bayan 22:498.
.5[23] Alnajam 53:
.203 24 Al_ Aaraf 7:
25 Al-Maida5:111.
26 . Ibn Arabi Tafsir A Ibn Arabi 1:213.
. 39.38[27] Taha 20:
28 .Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi, 2:20.
29 .Al-Zarqani, Muhammad Abdul-Azim,(Manahil Al-Irfan fi Ulum Al-Qur'an, printed by Issa Al-Babi Al-Halabi1431 AH)2:78.
30 . Al-Zarqani, Manahil Al-Irfan fi Ulum Al-Qur'an, 2:81.
31 Taha 20:13
32 . Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi, 17:2.
.6[33] Fossilat 41:
34 Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi 2:206.
35 Samarkandi, Abu al-Laith, Nasr bin Muhammad,(Bahr al-Uloom, 1431 AH),18:552.
.112[36] Al_ Anaam6:
37. Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi, 1:239.
38. Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi, 1:239.
39. Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi, 1:239.
40 . Samarkandi, Bahrul Uloom 1:476.
41 .Tabari, Jami' al-Bayan, 12:51.
42 .Hood 11:12.
43 .Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi 1:319.
44 .Al-Tabari, Jami' al-Bayan 15:258.
45 Al Shura42:51.
46 Ibn Arabi Tafsir Ibn Arabi 2:221.
47 .Al-Tabari, Jami' al-Bayan 21:558.
48ً .Al-Tabari, Jami' al-Bayan 21: 558.
49 Ibn Arabi, Tafsir Ibn Arabi 2:221.